اگر بیوہ کو برابر کا حصہ ملتا ہے تو اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ لیکن کیا یہ مناسب ہے کہ کوئی عورت اور اس کا بھائی دونوں ایک دوسرے کے برابر حصہ پائیں اگر ایسا ہوا تو ایک ہندو کی جائداد چند ہی روز میں ختم ہو جائے گی۔ بہن اور بھائی دونوں کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں گے۔ اور تقسیم جائداد میں بڑی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔ کیوں کہ ایک عورت کو تین طرف سے حقِ وراثت پہنچتا ہے۔ ایک حق بحیثیت بیٹی کے۔ دوسرا حق بحیثیت بیوی کے اور تیسرا حق بحیثیت ماں کے۔ برخلاف مرد کے کہ اس کے لئے صرف ایک ہی حق ہے۔ تو پھر کیا اس کے باوجود عورت اور مرد دونوں کا حقِ وراثت برابر ہو سکتا ہے؟

دنیا کے تمام مذاہب و قوانین و دساتیر میں یہ شرف صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے سب سے پہلے عورت کا حقِ وراثت تسلیم کیا ہے۔ عہدِ جدید میں جہاں کہیں عورت کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے وہ بلاشبہ اسلام کے ہی خوانِ کرم کی زلہ ربائی کا نتیجہ ہے۔ لیکن چوں کہ اسلام دین فطرت ہے اور اس بنا پر اس کی ہر تعلیم بادن تولہ پاؤ رتی کی مصداق ہے کہ نہ اس میں کوئی کمی ہو سکتی ہے اور نہ بیشی اس لئے کوئی قوم جب کبھی اسلام کے کسی قانون کو اپناتے ہوتے اس میں اپنی طرف سے کانٹ چھانٹ کرے گی اس کا انجام یہ ہی ہوگا کہ قانون کا مقصد خاطر خواہ طریقہ پر حاصل نہیں ہو سکے گا، چنانچہ وراثت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اسلام عورت کا حقِ وراثت تسلیم کرتا ہے مگر ساتھ ہی اس کا اعلان یہ بھی ہے کہ " وللذکر مثل حظ الانثیین " یعنی مرد کو دوہرا حصہ ملنا چاہئے۔ کیا عجیب بات ہے کہ آج ایک ہندو فاضل قرآن مجید کے اس حکم کی تصدیق میں بعینہٖ وہی بات کہہ رہا ہے جواب سے کم وبیش سوا دو سو سال پہلے حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ قرآن کے اسی حکم کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرما گئے ہیں۔ " فبای حدیث بعدہٗ یومنون؟"